ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2902

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: مطالعہ متون حدیث 1 (2902) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

کریڈٹ: 3

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر 1–4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: امام مسلم رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور تالیفات

سوال نمبر 1۔ امام مسلمؒ کے حالات زندگی اور ان کی تالیفات پر جامع نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

امام مسلم رحمہ اللہ کا شمار ان عظیم محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی احادیثِ نبویہ کی تلاش، جانچ پڑتال، تدوین اور حفاظت کے لیے وقف کر دی۔ ان کی مرتب کردہ کتاب "صحیح مسلم" کو امت نے صحت اور اعتبار کے لحاظ سے سب سے مستند کتابوں میں شمار کیا ہے اور یہ صحاحِ ستہ کی بنیادی کتابوں میں شامل ہے۔ امام مسلم کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دین کا علم محض معلومات جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ اخلاص، محنت، تقویٰ اور اصولوں پر ثابت قدمی کا مجموعہ ہے۔ اس جواب میں ان کے نام و نسب، پیدائش، تعلیم و تربیت، طلبِ حدیث کے اسفار، اساتذہ، علمی مقام، صحیح مسلم کی خصوصیات، دیگر تالیفات اور وفات کا جامع جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ طالب علم کو ان کی شخصیت اور علمی خدمات کی مکمل تصویر حاصل ہو سکے۔

نام، نسب، کنیت اور پیدائش

امام صاحب کا مکمل نام مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاذ القشیری النیشاپوری ہے اور ان کی کنیت ابو الحسین ہے، اسی لیے وہ عام طور پر امام ابو الحسین مسلم بن حجاج کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق عرب قبیلہ بنو قشیر سے بتایا جاتا ہے جو خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں آباد تھا۔ ان کی پیدائش نیشاپور ہی میں ہوئی۔ سالِ پیدائش کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی روایات میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے؛ اکثر مورخین 204ھ یا 206ھ (819ء یا 822ء کے لگ بھگ) کو ان کا سالِ پیدائش قرار دیتے ہیں۔ اس اختلاف کو چھپانے کے بجائے علمی دیانت یہی ہے کہ اسے اسی طرح بیان کیا جائے، کیونکہ قدیم شخصیات کی تواریخ میں اس نوعیت کا اختلاف عام ہے۔ نیشاپور اس زمانے میں علم و حدیث کا بڑا مرکز تھا، اس ماحول نے ان کی علمی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا۔

ابتدائی تعلیم اور طلبِ حدیث کا آغاز

امام مسلم نے کم سنی ہی سے علم کی طرف توجہ کی۔ مروجہ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے حدیث سننے اور سیکھنے کا آغاز نوجوانی میں کر لیا تھا۔ تذکروں میں ذکر آتا ہے کہ انہوں نے تقریباً بارہ برس کی عمر سے احادیث سننا شروع کر دی تھیں۔ ان کے دل میں روایات کی صحت کو پرکھنے کا ذوق شروع ہی سے نمایاں تھا؛ وہ صرف روایت نقل کرنے پر اکتفا

نہیں کرتے تھے بلکہ راویوں کے حالات، ان کی عدالت وضبط اور اسانید کے اتصال کو بھی جانچتے تھے۔ نیشاپور اور اس کے گردونواح کے مشائخ سے استفادے کے بعد انہوں نے دور دراز کے علمی مراکز کا رخ کیا، کیونکہ اس دور میں حدیث کا حصول سفر کے بغیر ممکن نہ تھا اور محدثین اسے "طلبِ علم میں رحلہ" یعنی علمی سفر کی روایت سے حاصل کرتے تھے۔

علمی اسفار اور اساتذہ

امام مسلم نے حدیث کی طلب میں خراسان کے علاوہ عراق، حجاز، مصر اور شام سمیت اسلامی دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا سفر کیا۔ بغداد، بصرہ، کوفہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دمشق جیسے مراکز میں انہوں نے سینکڑوں شیوخ سے روایات سنیں اور ان کا ریکارڈ محفوظ کیا۔ ان کے مشہور اساتذہ میں اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، قتیبہ بن سعید، محمد بن مثنیٰ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کا تعلق خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ امام مسلم نے ان سے گہرا استفادہ کیا اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے، جبکہ امام بخاری بھی ان کی ذہانت اور حدیث فہمی کی قدر کرتے تھے۔ اساتذہ کی یہ طویل فہرست بتاتی ہے کہ صحیح مسلم کسی ایک شہر یا ایک استاد کی روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کی منتخب روایات کا نچوڑ ہے۔

علمی مقام، اخلاق اور طرزِ زندگی

امام مسلم اپنے دور کے ناقدینِ حدیث میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ علمِ علل، اسماء الرجال اور اسانید کی پرکھ میں ان کی مہارت کو معاصرین اور بعد کے علماء نے تسلیم کیا ہے۔ ان کی زندگی زہد، تقویٰ، سچائی اور علمی امانت سے عبارت تھی۔ وہ تجارت کے ذریعے اپنا گزارا کرتے تھے تاکہ طلب و تدریسِ علم میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ روایات میں ان کی خوش اخلاقی، نرمی اور طلبہ سے شفقت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ علمی اختلاف میں بھی وہ اعتدال اور انصاف کے قائل تھے۔ یہ اخلاقی اوصاف ان کی علمی عظمت کا اصل سرمایہ ہیں، کیونکہ محدث کی اصل پہچان صرف حافظہ نہیں بلکہ دیانت ہوتی ہے، اور امام مسلم اس معیار پر پورے اترنے والے ائمہ میں سرِفہرست ہیں۔

صحیح مسلم: تعارف اور خصوصیات

امام مسلم کی سب سے مشہور تالیف ان کی صحیح ہے جس کا پورا نام عام طور پر "المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ ﷺ" بتایا جاتا ہے اور یہ "صحیح مسلم" کے مختصر نام سے دنیا بھر میں معروف ہے۔ امام مسلم نے اس کتاب میں روایات کو فقہی ابواب کے مطابق اس انداز سے مرتب کیا کہ ایک موضوع کی مختلف اسانید اور الفاظ ایک ہی مقام پر جمع ہو جاتے ہیں، جس سے حدیث کا پورا سیاق سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ کتاب کے آغاز میں انہوں نے ایک قیمتی مقدمہ لکھا جس میں صحتِ روایت کے اصول، ضعیف اور موضوع روایات سے بچنے کی تنبیہ اور راویوں کے طبقات بیان کیے؛ یہ مقدمہ اصولِ حدیث کی ابتدائی اہم تحریروں میں شمار ہوتا ہے۔ روایات کی تعداد کے بارے میں مشہور بیان یہ ہے کہ تکرار کے ساتھ کتاب میں تقریباً سات ہزار سے زائد اور تکرار کے بغیر تقریباً تین سے چار ہزار احادیث آتی ہیں؛ مختلف طباعتوں اور شمار کے اختلاف کی وجہ سے اعداد میں فرق معمول کی بات ہے، اس لیے اسے تقریبی شمار ہی سمجھنا چاہیے۔

جدول: امام مسلم رحمہ اللہ کی اہم تالیفات

موضوع / تعارف	کتاب
صحیح احادیث کا مرتب مجموعہ؛ صحاحِ ستہ کی بنیادی کتاب	صحیح مسلم (المسند الصحیح)
صحتِ روایت کے اصول، راویوں کے طبقات اور تنبیہات	مقدمہ صحیح مسلم
راویوں کی کنیتوں اور ناموں کی شناخت	کتاب الکنیٰ والاسماء
ایسے راوی جن سے صرف ایک راوی نے روایت کی	المنفردات والوحدان
راویوں کے طبقات و درجات کا تعارف	الطبقات (طبقات مسلم)
روایات میں وہم و خطا کی نشان دہی سے متعلق؛ نسبت میں محققین کی بحث موجود	کتاب التمییز

	ہے

جدول میں درج کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام مسلم کی دلچسپی صرف احادیث جمع کرنے تک محدود نہ تھی بلکہ راوی شناسی، طبقات اور روایت کی باریک بینی پر مبنی نقد بھی ان کے علمی کام کا حصہ تھا۔ البتہ طالب علم کو یہ احتیاط بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ بعض کتب کی نسبت اور ان کے مندرجات کے بارے میں محققین کے ہاں بحث پائی جاتی ہے، اس لیے ہر نسبت کو حتمی دعوے کے بجائے تذکرہ نگاروں کے بیان کے طور پر پیش کرنا ہی علمی اسلوب ہے۔ صحیح مسلم پر بعد کے ادوار میں بڑی بڑی شروح لکھی گئیں، جن میں امام نووی رحمہ اللہ کی شرح صحیح مسلم خاص طور پر مشہور ہے اور آج بھی درس و مطالعے میں بنیادی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔

وفات

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات 25 رجب 261ھ (875ء) میں نیشاپور میں ہوئی اور وہیں وہ آسودۂ خاک ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر پچاس کی دہائی کے آخری برسوں میں بتائی جاتی ہے۔ ان کی وفات پر اہلِ علم نے گہرے رنج کا اظہار کیا، کیونکہ علمِ حدیث کا ایک درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا تھا۔ مگر ان کی اصل زندگی ان کی کتاب ہے جو قیامت تک پڑھی اور پڑھائی جاتی رہے گی۔ ان کی قبر نیشاپور میں معروف ہے اور اہلِ علم اسے ایک عظیم محدث کی یادگار کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ وفات کی تاریخ اور جائے وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا بیان کافی حد تک متفقہ ہے، اس لیے یہ حصہ ان کی سوانح کا نسبتاً پختہ حصہ شمار ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے: وہ حافظِ حدیث بھی تھے، ناقدِ رجال بھی، مرتب و مؤلف بھی اور صاحبِ تقویٰ عالم بھی۔ نیشاپور کی علمی فضا، کم سنی سے طلبِ حدیث، وسیع اسفار، امام بخاری سمیت بڑے بڑے شیوخ سے استفادہ اور اصولوں پر سختی سے کاربند رہنا، یہ سب عوامل مل کر صحیح مسلم جیسی عظیم کتاب کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ ایک طالب علم کے لیے ان کی سیرت کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ علمی عظمت اتفاق سے نہیں ملتی بلکہ طویل محنت، صحیح اساتذہ کی صحبت اور اخلاص کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے مطالعۂ متنِ حدیث کے اس یونٹ میں ان کی سوانح کو محض تاریخی معلومات نہیں بلکہ علمی تربیت کا نمونہ سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔

سوال نمبر 2: وحی کے لغوی واصطلاحی معنی اور اقسام

سوال نمبر 2۔ وحی کے لغوی واصطلاحی معنی اور وحی کی اقسام تفصیل سے بیان کریں۔ (20)

تعارف

وحی اسلام کے پورے نظامِ ہدایت کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید وحی ہے، احادیث نبویہ کا ماخذ بھی وحی سے جڑا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی پوری دعوت اسی وحی کی روشنی میں آگے بڑھی۔ اگر وحی کا تصور واضح نہ ہو تو نہ قرآن کی حیثیت سمجھ میں آتی ہے اور نہ سنت کی حجیت۔ اس لیے مطالعۂ حدیث کے ابتدائی یونٹس میں وحی کو مستقل موضوع بنایا گیا ہے۔

اس جواب میں پہلے وحی کے لغوی معنی بیان کیے جائیں گے، پھر اصطلاحی تعریف، پھر قرآن مجید کی روشنی میں وحی کے طریقے، اس کے بعد وحی کی اقسام یعنی وحی متلو اور وحی غیر متلو کی تفصیل، آغازِ وحی کے واقعے کا مختصر ذکر اور آخر میں وحی اور الہام و خواب کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

وحی کے لغوی معنی

عربی زبان میں لفظ "وحی" کے کئی لغوی معنی بیان کیے جاتے ہیں جن کا مشترک مفہوم خفیہ اور تیز تر انداز میں کسی بات کا پہنچانا ہے۔ لغت کی کتابوں میں وحی کے معنی اشارہ کرنا، دل میں بات ڈالنا، خفیہ طور پر کچھ کہنا، لکھنا اور تیزی سے پیغام پہنچانا آتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں ان کے اشارے کو وحی سے تعبیر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈالنے کے لیے بھی یہی لفظ آیا، اور شہد کی مکھی کو اس کی فطری رہنمائی کے لیے بھی وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان تمام استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ لغوی اعتبار سے وحی کا دائرہ وسیع ہے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ایک خاص اور محدود حقیقت کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جو اگلے حصے میں بیان کیا جاتا ہے۔

وحی کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحِ شرع میں وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ کلام اور ہدایت ہے جو اس نے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل فرمائی تاکہ وہ اسے انسانوں تک پہنچائیں۔ اہلِ علم کی معروف تعریف یہ ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو دی جانے والی وہ خبر اور ہدایت ہے جو عام انسانی ذرائع یعنی حواس، عقل اور تجربے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس تعریف سے وحی کی تین بنیادی خصوصیات واضح ہوتی ہیں: اس کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے، اس کا وصول کنندہ نبی ہوتا ہے، اور اس کا مقصد انسانوں کی ہدایت ہے۔ اسی بنا پر وحی قطعی اور یقینی علم کا ذریعہ مانی جاتی ہے اور اس میں غلطی کا امکان اس لیے نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اور ابلاغ کی ذمہ داری اپنے فضل سے قائم فرمائی ہے۔

قرآن کی روشنی میں وحی کے طریقے

سورۂ شوریٰ کی آیت 51 میں وحی کے بنیادی تین طریقے بیان ہوئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر سے براہِ راست کلام نہیں کرتا مگر وحی کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتے کو بھیج کر جو اس کے اذن سے جو وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔ شارحین اس آیت کی روشنی میں وحی کی صورتیں یوں گنواتے ہیں. پہلی صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست نبی کے دل میں بات القا فرمائے؛ دوسری صورت یہ کہ پردے کے پیچھے سے کلام ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا؛ تیسری صورت یہ کہ فرشتہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آئیں۔ اس کے علاوہ روایات میں وحی کی کیفیتوں کا ذکر بھی آتا ہے، مثلاً صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی سی آواز کے ساتھ وحی کا آنا، فرشتے کا انسانی شکل میں آنا، فرشتے کا اپنی اصل صورت میں دکھائی دینا اور سچا خواب۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کیفیتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

Figure 1: Modes and Categories of Wahy (as discussed in the course)

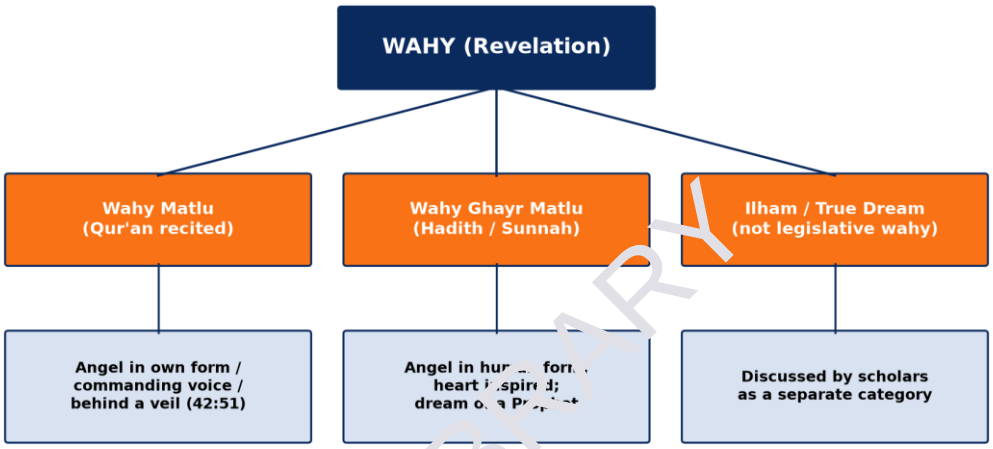

شکل: وحی کے طریقوں اور اقسام کی درجہ بندی

وحی کی اقسام: وحی متلو اور وحی غیر متلو

علماء نے وحی کو تلاوت کے اعتبار سے دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم وحی متلو ہے، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے؛ اس سے مراد قرآن مجید ہے جس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس کی تلاوت عبادت ہے اور نماز میں اسی کی تلاوت ہوتی ہے۔ دوسری قسم وحی غیر متلو ہے، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت بطورِ قرآن نہیں کی جاتی؛ اس سے مراد سنت و حدیث ہے جس کے معانی اور مضامین وحی کی رہنمائی سے ہیں مگر الفاظ نبی کریم ﷺ کے اپنے ہیں۔ اسی تقسیم کی بنیاد پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ حدیث بھی دین کی حجت ہے، کیونکہ قرآن نے خود اطاعتِ رسول کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے، جس کا جلیل ترین مصداق قرآن ہے اور سنت بھی اسی ہدایت کے نظام کا حصہ ہے۔

جدول: وحی متلو اور وحی غیر متلو کا موازنہ

پہلو	وحی متلو (قرآن)	وحی غیر متلو (سنت / حدیث)
الفاظ و معانی	دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے	معنی و ہدایت وحی سے، الفاظ نبی ﷺ کے

بطورِ قرآن تلاوت نہیں کی جاتی	تلاوت عبادت ہے؛ نماز میں پڑھا جاتا ہے	تلاوت
اسانید و نقدِ روایت کے اصولوں سے محفوظ	تواتر سے ثابت؛ متن محفوظ	ثبوت و حفاظت
احادیثِ صحیحہ و سنتِ عملی	سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الناس	مثال

آغازِ وحی اور اس کی اہمیت

نبی کریم ﷺ پر وحی کا آغاز غارِ حرا میں سورۂ علق کی ابتدائی آیات سے ہوا جن میں پڑھنے، قلم اور علم کی تعلیم کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس واقعے کی تفصیل موجود ہے کہ فرشتے نے آپ ﷺ کو "اقرأ" کہا اور پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جنہوں نے اسے ناموس یعنی جبرائیل کی آمد قرار دیا۔ ایک توقف کے بعد وحی کا سلسلہ مستقل ہو گیا اور تیئیس برس کے عرصے میں پورا قرآن نازل ہوا۔ آغازِ وحی کا یہ واقعہ دو باتیں واضح کرتا ہے: ایک یہ کہ نبوت کا آغاز علم اور اقرأ کے پیغام سے ہوا، اور دوسری یہ کہ وحی ایک حقیقی خارجی حقیقت تھی، محض ذہنی کیفیت کا نام نہ تھا، کیونکہ اس کے ساتھ جسمانی کیفیت، فرشتے کی آمد اور واقعاتی تسلسل سب روایات میں محفوظ ہے۔

وحی، الہام اور خواب میں فرق

وحی اور الہام میں فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ الہام عام طور پر نیک بندوں کے دل میں کسی بات کے القا کو کہتے ہیں، مگر الہام نہ تو شرعی حجت ہوتا ہے اور نہ اس پر دین کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس کے برعکس وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور وہی شرعی حجت ہے۔ اسی طرح سچا خواب وحی کی ابتدائی صورتوں میں سے تھا اور روایت میں اسے نبوت کے اجزا میں سے ایک جز قرار دیا گیا ہے، مگر انبیاء کے سوا کسی کا خواب دین کا ماخذ نہیں بنتا۔ نبوت کے خاتمے کے بعد وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے؛ اب ہدایت کا ذریعہ صرف قرآن و سنت ہیں جو محفوظ صورت میں امت کے پاس موجود ہیں۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنے سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، مثلاً کسی شخص کے ذاتی کشف یا خواب کو دین پر مقدم کرنا درست نہیں سمجھا جاتا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ وحی لغت میں خفیہ اور سریع ابلاغ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ الٰہی ہدایت ہے جو انبیاء پر نازل ہوئی۔ قرآن نے اس کے تین بنیادی طریقے بیان کیے ہیں اور علماء نے اسے وحی متلو اور وحی غیر متلو میں تقسیم کر کے قرآن و سنت دونوں کی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ مطالعۂ حدیث کے طالب علم کے لیے اس بحث کی اہمیت یہ ہے کہ جب تک وحی کا یہ تصور پختہ نہ ہو، حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت کے لیے محدثین کی صدیوں کی محنت کا سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے اس موضوع کو محض تعریفیں یاد کرنے کے بجائے پورے نظامِ دین کی بنیاد سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔

سوال نمبر 3: حدیث "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ" کا ترجمہ اور ارکانِ اسلام

سوال نمبر 3۔ "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ" حدیث کا مکمل ترجمہ لکھیں اور ارکانِ اسلام پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

یہ حدیث اسلام کی بنیادی ساخت کو بیان کرنے والی مشہور ترین احادیث میں سے ہے۔ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ نے اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جو پانچ ستونوں پر کھڑی ہے۔ تشبیہ کا مقصد یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح عمارت اپنے ستونوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح یہ پانچ اعمال و عقائد اسلام کی عملی زندگی کی بنیاد ہیں۔ اس جواب میں پہلے حدیث کا مکمل متن اور ترجمہ پیش کیا جائے گا، پھر اس کی سند و ماخذ کا مختصر تعارف، پھر پانچوں ارکان کی انفرادی تفصیل اور آخر میں اس حدیث سے حاصل ہونے والے اہم نکات اور نتیجہ بیان کیا جائے گا۔

حدیث کا مکمل متن اور ترجمہ

حدیث کا متن اس طرح ہے: "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ"۔ ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ بعض روایات میں حج اور روزے کی ترتیب میں معمولی فرق آتا ہے اور ایک راوی کے اس فرق کی طرف توجہ دلانے پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی ترتیب کی طرف رجوع کی ہدایت کی جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنی تھی؛ یہ نکتہ روایت میں امانت اور ضبط کی خوبصورت مثال ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سوال میں دیے گئے تھے، اوپر درج مکمل متن انہی الفاظ کی معروف تکمیل ہے۔ صحیحین میں اسی حدیث کے ذیل میں آتی ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Figure 2: The Five Pillars of Islam

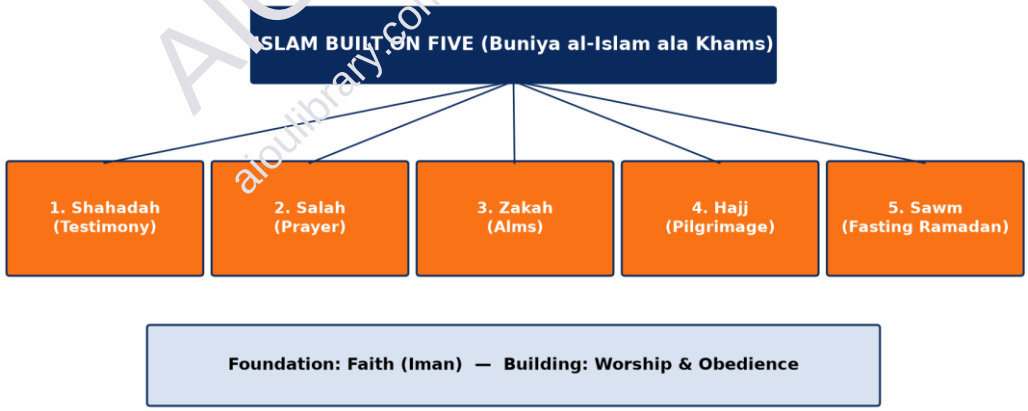

شکل: اسلام کے پانچ ارکان

پہلا رکن: شہادت — توحید و رسالت کی گواہی

پہلا اور بنیادی رکن شہادت ہے، یعنی دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے ساتھ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ یہ گواہی اسلام میں داخلے کا دروازہ ہے۔ توحید کی گواہی انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی میں داخل کرتی ہے، اور رسالت کی گواہی یہ طے کرتی ہے کہ اللہ

کی بندگی کا طریقہ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور سنت سے لیا جائے گا، اپنی خواہش سے نہیں۔ اسی لیے شہادت صرف ایک جملہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا عہد ہے۔ جس شخص نے سچے دل سے یہ گواہی دی، اس پر باقی ارکان کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور اسی گواہی کی روشنی میں نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ معنی پاتے ہیں۔ شہادت کے تقاضوں میں اخلاص، علم، یقین، قبولیت اور اطاعت جیسی شرائط علماء نے بیان کی ہیں جن کا مطالعہ اس رکن کی گہرائی کو واضح کرتا ہے۔

دوسرا رکن: نماز قائم کرنا

دوسرا رکن اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اور یہ بندے اور اللہ کے درمیان براہِ راست تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لفظ "اقامت" قابلِ غور ہے؛ اس کا مطلب صرف نماز پڑھ لینا نہیں بلکہ اسے وقت کی پابندی، طہارت، خشوع و خضوع اور سنت کے مطابق ادا کرنا ہے۔ نماز انسان کو فحاشی اور برائی سے روکتی ہے، وقت کی پابندی سکھاتی ہے اور اجتماعی زندگی میں مسجد کے ذریعے بھائی چارے کو مضبوط کرتی ہے۔ احادیث میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے اور اس کی حفاظت پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ شہادت کے بعد نماز ہی وہ عمل ہے جس سے مسلمان کی عملی پہچان قائم ہوتی ہے، اسی لیے اس حدیث میں اسے شہادت کے فوراً بعد ذکر کیا گیا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ نماز کے اس اجتماعی اور اخلاقی پہلو کو بھی نوٹ کرے، محض فقہی مسائل تک محدود نہ رہے۔

تیسرا رکن: زکوٰۃ ادا کرنا

تیسرا رکن ایتائے زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ صاحبِ نصاب مسلمان کے مال میں سے مقررہ شرح کے مطابق مستحقین کو دیا جانے والا حق ہے۔ اس کا لغوی مفہوم پاکیزگی اور بڑھوتری ہے؛ گویا زکوٰۃ دینے سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور اس میں برکت کی راہ بھی کھلتی ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام کی روح ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے کے کمزور طبقات تک پہنچتی ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا حق اللہ سے تعلق کو اور زکوٰۃ بندوں کے حقوق کو پورا کرتی ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف سورۂ توبہ میں بیان کر دیے گئے ہیں جن میں فقراء، مساکین اور دیگر مستحق طبقات شامل ہیں۔ اس رکن سے معاشرے میں ہمدردی، کفالت اور باہمی ذمہ داری کا نظام قائم ہوتا ہے۔

چوتھا رکن: حج

چوتھا رکن حج ہے جو استطاعت رکھنے والے مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ حج میں مومن مال، وقت اور آرام کی قربانی دے کر اللہ کے گھر کی زیارت کرتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ احرام کا سادہ لباس امیر و غریب اور حاکم و محکوم کا فرق مٹا دیتا ہے، عرفات کا اجتماع قیامت کے میدان کی یاد دلاتا ہے اور قربانی اطاعت و ایثار کا عملی سبق دیتی ہے۔ قرآن مجید میں حج کی فرضیت کا حکم سورۂ آل عمران میں استطاعت کی شرط کے ساتھ آیا ہے، لہٰذا جو شخص جسمانی و مالی استطاعت نہ رکھتا ہو اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ حج کی اجتماعیت عالمگیر اخوت کا مظہر ہے، جہاں مختلف زبانوں اور رنگوں کے مسلمان ایک ہی لبیک کی صدا بلند کرتے ہیں۔ یہی عالمگیریت اسلام کے آفاقی پیغام کی عملی تصویر ہے۔

پانچواں رکن: رمضان کے روزے

پانچواں رکن صومِ رمضان ہے۔ روزے میں مسلمان طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے اللہ کی رضا کے لیے رک جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں روزوں کی فرضیت کا مقصد تقویٰ قرار دیا گیا ہے، یعنی روزہ محض بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ نفس کی تربیت اور اللہ کی نگرانی کے احساس کو زندہ کرنے کی مشق ہے۔ روزہ صبر، ہمدردی اور خود احتسابی سکھاتا ہے؛ روزے دار کو بھوکوں کی کیفیت کا عملی تجربہ ہوتا ہے جس سے صدقہ و خیرات کا جذبہ بڑھتا ہے۔ بیمار، مسافر اور عذر رکھنے والوں کے لیے شریعت میں قضا یا فدیے کی سہولتیں موجود ہیں جو دین کی آسانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ رمضان میں قرآن سے تعلق بھی بڑھتا ہے کیونکہ قرآن اسی مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا۔

جدول: ارکانِ اسلام کا خلاصہ

رکن	بنیادی مفہوم	اہم اثر
شہادت	توحید و رسالت کی گواہی	اسلام میں داخلہ اور زندگی کا عہد
نماز	پانچ وقت کی عبادت قائم کرنا	اللہ سے تعلق، وقت کی پابندی، بے حیائی سے روک

معاشی انصاف اور کفالت	مال کا مقررہ حق مستحقین کو دینا	زکوٰۃ
قربانی، مساوات اور عالمگیر اخوت	استطاعت پر بیت اللہ کی زیارت	حج
تقویٰ، صبر اور خود احتسابی	رمضان میں خواہشات سے رکنا	روزہ

حدیث سے حاصل ہونے والے نکات اور نتیجہ

اس حدیث سے کئی اہم نکات حاصل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اسلام صرف عقیدے کا نام نہیں بلکہ عقیدہ اور عمل کا مجموعہ ہے؛ اسی لیے ارکان میں شہادت کے ساتھ چاروں بڑے اعمال شامل ہیں۔ دوم یہ کہ ان ارکان کی اہمیت بنیاد کی ہے؛ اگر بنیاد کمزور ہو تو باقی اعمال کی عمارت بھی متاثر ہوتی ہے، البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقیہ فرائض و اخلاقیات بے اہمیت ہیں، کیونکہ صدق، امانت، والدین کی خدمت اور حسنِ اخلاق جیسی تعلیمات دوسری نصوص میں پوری اہمیت کے ساتھ موجود ہیں۔ سوم یہ کہ ان ارکان میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں جمع ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی ان پانچ ستونوں پر متوازن انداز میں کھڑی ہوتی ہے اور مطالعۂ حدیث کے طالب علم کو اس حدیث کو اسلام کے پورے عملی نظام کا نقشہ سمجھ کر یاد کرنا چاہیے۔

سوال نمبر 4: علم کی تعریف اور روایات کی روشنی میں فضیلتِ علم

سوال نمبر 4۔ علم سے کیا مراد ہے؟ نیز روایات کی روشنی میں علم کی فضیلت پر جامع نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

اسلام میں علم کو جو مقام حاصل ہے اس کی مثال دوسرے نظاموں میں کم ملتی ہے۔ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ "اقرأ" تھا اور اسی سورت میں قلم اور تعلیم کا ذکر آیا۔ قرآن و حدیث نے علم کو نور، عالم کو وارثِ انبیاء اور طلبِ علم کو عبادت قرار دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ علم سے مراد کیا ہے اور روایات میں اس کی فضیلت کس

انداز میں بیان ہوئی ہے؟ اس جواب میں پہلے علم کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیے جائیں گے، پھر علم کی اقسام اور قرآن کی روشنی میں اس کی اہمیت، اس کے بعد احادیث و روایات کی روشنی میں فضیلتِ علم کے اہم پہلو، عالم کی ذمہ داریاں اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

علم سے کیا مراد ہے؟ لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں علم یقینی جاننے اور کسی چیز کی حقیقت کو ادراک کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ جہل کی ضد ہے۔ اصطلاح میں علم سے مراد وہ پختہ معرفت ہے جو دلیل اور یقین کے ساتھ حاصل ہو۔ دینی اصطلاح میں علم کا سب سے اعلیٰ مصداق وحی سے حاصل ہونے والا علم ہے، یعنی قرآن و سنت کا علم، کیونکہ اسی سے اللہ کی معرفت، حلال و حرام کی پہچان اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم علم کا دائرہ صرف دینی علوم تک محدود نہیں سمجھا گیا؛ وہ تمام علوم جو انسانیت کے لیے نافع ہوں اور جائز طریقے سے حاصل کیے جائیں، اسلام کی نگاہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اصل فرق نیت اور مقصد کا ہے: جو علم انسان کو اللہ سے قریب اور مخلوق کے لیے نافع بنائے وہی مطلوب علم ہے، جبکہ محض فخر، دنیا طلبی یا نقصان رسانی کے لیے حاصل کیا گیا علم روایات کی تنبیہ کا مصداق بن سکتا ہے۔

قرآن مجید میں علم کی اہمیت

قرآن مجید نے علم اور اہلِ علم کی فضیلت متعدد مقامات پر بیان کی ہے۔ سورۂ زمر میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، اور جواب خود سوال میں مضمر ہے کہ ہرگز نہیں۔ سورۂ مجادلہ میں ایمان والوں اور علم والوں کے درجات کی بلندی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سورۂ فاطر میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے کہ اللہ سے حقیقی خشیت رکھنے والے اس کے بندوں میں اہلِ علم ہی ہوتے ہیں، کیونکہ کائنات کے نشانات پر غور انسان کو خالق کی عظمت تک لے جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ دعا سکھائی گئی کہ وہ کہیں: اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم قرآن کی نگاہ میں دنیاوی مہارت ہی نہیں بلکہ ایمان کو گہرا کرنے والا ذریعہ ہے۔ اسی لیے عبادت کی قبولیت اور صحت بھی علم سے جڑی ہے، کیونکہ بغیر علم کے عمل میں غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

روایات میں فضیلتِ علم: طالب علم کا مقام

احادیث میں طلبِ علم کی فضیلت بہت نمایاں ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے طالب علم کے لیے رضامندی سے اپنے پر بچھاتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی مخلوقات حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ اس [illegible] میں طالب علم کی عزت کا پورا منظر کھینچ دیا گیا ہے۔ ترمذی وغیرہ کی روایت میں علماء کو انبیاء کے وارث قرار دیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء نے دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ علم کی وراثت چھوڑی ہے، پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پا لیا۔ یہ بشارتیں بتاتی ہیں کہ طلبِ علم ایک عبادت ہے جس کا اجر سیکھنے کے عمل کے ساتھ ساتھ ملتا رہتا ہے۔

علم کی فضیلت کے دیگر پہلو

روایات میں علم کو کئی اور پہلوؤں سے بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں دنیا کی حقیقت کے مقابلے میں علم کی قدر بیان ہوئی ہے کہ فقیہ یعنی گہری سمجھ رکھنے والا ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، کیونکہ جاہل عابد فتنے کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ عالم دین کی حفاظت کرتا ہے۔ صدقۂ جاریہ والی مشہور روایت میں انسان کے اعمال کی منقطع ہونے کے بعد جو تین چیزیں باقی رہنے والی بتائی گئی ہیں ان میں وہ علم بھی ہے جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم بانٹنے والا مرنے کے بعد بھی اجر پاتا رہتا ہے۔ علم کی مجلسوں کو ذکر کی مجالس اور جنت کے باغوں سے تشبیہ دینا بھی روایات کا حصہ ہے۔ ان تمام روایات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ علم روشنی ہے، اس سے راستہ بھی ملتا ہے اور منزل بھی، اور یہی علم انسان کو اندھی تقلید اور جہالت کی رسوائی سے بچاتا ہے۔

علم کے ساتھ عمل اور عالم کی ذمہ داری

روایات نے جہاں علم کی فضیلت بیان کی ہے وہیں بغیر عمل کے علم کو قابلِ مذمت بھی قرار دیا ہے۔ اس علم کی مثال اس گدھے سے دی گئی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں، اور قیامت کے دن ایسے عالم کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود عمل نہیں کرتا تھا۔ اس لیے علماء نے ہمیشہ یہ اصول بیان کیا ہے کہ علم کا اصل

ثمر عمل ہے اور عالم کی پہلی ذمہ داری اپنے علم پر خود عمل کرنا، دوسری اسے اخلاص کے ساتھ آگے پہنچانا اور تیسری اپنی بات پر فخر کے بجائے عاجزی اختیار کرنا ہے۔ حصولِ علم میں نیت کی درستی اس لیے شرط ہے کہ ایک مشہور حدیث میں دنیاوی مقاصد یعنی مال یا عہدے کے لیے علم حاصل کرنے والے کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اس تنبیہ کو کسی فرد پر فتویٰ سمجھ کر لاگو کرنا اس جواب کا مقصد نہیں؛ یہ ایک عمومی اخلاقی اصول ہے جو ہر طالب علم کو اپنی نیت کا جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہے۔

علم کی اقسام اور حصولِ علم کے آداب

علماء نے علم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں سمجھایا ہے: ایک فرضِ عین علم، یعنی اتنا دینی علم جو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے مثلاً عقائد کی بنیادیں، طہارت، نماز، روزے اور اپنے پیشے سے متعلق حلال و حرام کے مسائل؛ دوسرا فرضِ کفایہ علم، یعنی وہ تخصصی علوم جن کا معاشرے میں کچھ افراد کا ماہر ہونا کافی ہوتا ہے مثلاً گہرا فقہی و حدیثی تخصص اور معاشرے کی ضرورت کے دنیاوی علوم و فنون۔ حصولِ علم کے آداب میں استاد کا احترام، صبر و استقامت، سوال کرنے میں سنجیدگی، لکھ کر محفوظ کرنا اور سیکھے ہوئے پر عمل کرنا شامل ہے۔ امام مسلم اور امام بخاری جیسے محدثین کی زندگیاں انہی آداب کی عملی تصویر ہیں جن کا ذکر پچھلے جواب میں بھی آیا ہے۔ آج کے طالب علم کے لیے کتاب اور استاد کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کی حفاظت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ علم سے مراد محض معلومات کا انبار نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ حقیقت کی معرفت ہے جس کا اعلیٰ ترین درجہ وحی کا علم ہے۔ روایات نے طالب علم کو فرشتوں کی دعاؤں، جنت کے آسان راستے اور انبیاء کی وراثت جیسی بشارتوں سے نوازا ہے، جبکہ بغیر عمل کے علم اور ریاکاری کی نیت کو سخت تنبیہ کا مستحق قرار دیا ہے۔ اس توازن کو سمجھ لینے کے بعد طالب علم کے لیے راستہ واضح ہو جاتا ہے: اخلاص کے ساتھ سیکھنا، سیکھے ہوئے پر عمل کرنا اور اسے نرمی سے آگے پہنچانا۔ یہی تین کام علم کو فضیلت کا ذریعہ بھی بناتے ہیں اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی بنیاد بھی۔

سوال نمبر5: ہرقلِ روم کو خط کی وصولی اور اس کا ردِ عمل

سوال نمبر5۔ ہرقل روم کو جب آپ ﷺ کا خط موصول ہوا تو آپ کا ردعمل کیا رہا؟ واقعہ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت کو عرب سے آگے بڑھ کر اس زمانے کی بڑی طاقتوں کے حکمرانوں تک پہنچانے کا فیصلہ فرمایا اور مختلف بادشاہوں کو خطوط روانہ کیے۔ ان میں سب سے اہم خط روم کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) کے نام تھا، کیونکہ روم اس دور کی سب سے بڑی مسیحی سلطنت تھی اور شام و فلسطین اس کے زیرِ نگین تھے جن کا اسلام اور مسلمانوں سے براہِ راست تعلق تھا۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں محفوظ ہے، اسی لیے یہ واقعہ سیرت کی مستند ترین تفصیلات میں شمار ہوتا ہے۔ اس جواب میں دعوتی خطوط کا پس منظر، خط کا مضمون اور اس کی ترسیل، ہرقل کی مجلس اور ابوسفیان سے سوالات، اس کا ردِ عمل اور اس واقعے کے نتائج و اسباق بیان کیے جائیں گے۔

پس منظر: حکمرانوں کو دعوتی خطوط

ہجری کے ساتویں سال کے آغاز میں نبی کریم ﷺ نے چھ یا اس سے زائد سفیروں کو مختلف حکمرانوں کی طرف روانہ فرمایا۔ کسریٰ کی طرف حضرت عبداللہ بن حذافہ، نجاشی کی طرف حضرت عمرو بن امیہ، مقوقسِ مصر کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اور ہرقلِ روم کی طرف حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہم کو بھیجا گیا۔ خط کے لیے مہرِ نبوت بھی تیار کی گئی جس پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ درج تھے، کیونکہ حکمرانوں کے ہاں مہر کے بغیر خط پڑھا نہیں جاتا تھا۔ سفارت کے لیے ایسے صحابہ کا انتخاب ہوا جو خوش شکل، خوش گفتار اور ان علاقوں کی زبان و رسوم سے واقف تھے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری اس لیے بھی مناسب تھی کہ وہ شام کے علاقے سے تجارتی تعلق رکھتے تھے۔ روایات کے مطابق خط پہلے بصریٰ کے حاکم کے ذریعے ہرقل تک پہنچا جبکہ ہرقل ان دنوں بیت المقدس یعنی ایلیاء یا حمص کے علاقے میں مقیم تھا، کیونکہ وہ فارس پر فتح کے بعد زیارت کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔

خط کا مضمون اور اس کی ترسیل

خط کا مضمون مختصر مگر جامع تھا۔ اس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا، پھر یہ کہ یہ خط محمد، اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے روم کے بڑے ہرقل کے نام ہے۔ آگے سلامتی کی دعا اس شخص کے لیے درج تھی جو ہدایت کی پیروی کرے، پھر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی کہ اسلام لاؤ، سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا، اور اگر منہ موڑو گے تو تم پر اپنی رعایا کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا۔ آخر میں سورۂ آل عمران کی آیت 64 درج تھی جس میں اہلِ کتاب کو اس مشترک بات کی طرف بلایا گیا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندے چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ یہ خط توحید کی دعوت، حکمران کی ذمہ داری کی یاددہانی اور مشترک بنیاد پر مکالمے، تینوں پہلوؤں کا بہترین نمونہ ہے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط قیصر تک پہنچایا اور اس طرح نبوی دعوت باقاعدہ سلطنتِ روم کے دربار میں داخل ہو گئی۔

ہرقل کی مجلس اور ابوسفیان سے سوالات

روایت کے مطابق جب خط ہرقل کو ملا تو اس نے حکم دیا کہ نبی کریم ﷺ کے قبیلے اور قوم کے کسی قریبی شخص کو تلاش کر کے پیش کیا جائے تاکہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں تحقیق کر سکے۔ اتفاق سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت اسلام قبول کرنے سے پہلے قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ غزہ و شام کے علاقے میں موجود تھے، انہیں ساتھیوں سمیت دربار میں بلایا گیا۔ ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے قریب بٹھایا، باقی ساتھیوں کو پیچھے کھڑا کیا اور ترجمان کے ذریعے اعلان کیا کہ میں ان سے سوال کروں گا، اگر یہ جھوٹ بولیں تو تم انہیں جھٹلا دینا۔ ابوسفیان خود بیان کرتے ہیں کہ اگر ساتھیوں کے جھٹلانے کا خوف نہ ہوتا تو وہ اس موقع پر جھوٹ بھی بول سکتے تھے، مگر اس انتظام نے انہیں سچ بولنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعے میں ہرقل کی تحقیقی ذہنیت بھی ظاہر ہوتی ہے اور مکہ کے اس دور کے ایک مخالف کی زبان سے سیرت کی گواہی محفوظ ہو جانا بھی روایت کی خوبصورتی ہے۔

سوالات وجوابات کا خلاصہ

ہرقل نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں بنیادی سوالات کیے جن کا مفہوم یہ تھا: ان کا نسب تم میں کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا وہ اعلیٰ نسب والے ہیں۔ کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات کہی تھی؟ جواب ملا نہیں۔ کیا ان کے آباء میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ جواب ملا نہیں۔ ان کی پیروی بڑے لوگوں نے کی ہے یا کمزوروں نے؟ جواب ملا کمزوروں نے۔ ان کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ جواب ملا بڑھ رہے ہیں۔ کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر ناراض ہو کر پھر جاتا ہے؟ جواب ملا نہیں۔ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ کیا تم ان پر کبھی جھوٹ کا الزام لگاتے تھے اس دعوے سے پہلے؟ جواب ملا نہیں۔ تم ان سے لڑتے رہے ہو تو نتیجہ کیسا رہا؟ جواب ملا کبھی ہم غالب، کبھی وہ۔ وہ کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ جواب ملا کہ وہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو، نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامنی اختیار کرو اور صلہ رحمی کرو۔ یہ سوالات نبوت کی علامات کو پرکھنے کا ایک مکمل نظام تھے جن میں نسب، سچائی، امانت، دعوت کا مزاج اور پیروکاروں کی کیفیت سب کچھ شامل تھا۔

جدول: ہرقل کے سوالات اور ان کی اہمیت

سوال کا مفہوم	ابوسفیان کا جواب	ہرقل کا نتیجہ
نسب کیسا ہے؟	اعلیٰ نسب والے ہیں	انبیاء معزز نسب میں مبعوث ہوتے ہیں
پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟	نہیں	نقل یا تقلید کا شبہ ختم ہوا
پیروکار کون ہیں اور بڑھ رہے ہیں؟	کمزور لوگ؛ بڑھ رہے ہیں	ایمان بڑھتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو جائے
عہد شکنی یا جھوٹ؟	نہیں	سچا شخص اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتا
کس بات کا حکم دیتے ہیں؟	توحید، نماز، سچ، عفت، صلہ رحمی	اگر سچ ہے تو وہ نبی ہیں

ہرقل کا ردِ عمل

جوابات سننے کے بعد ہرقل نے ایک ایک سوال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ تم نے جو کچھ بتایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی ہیں؛ میں جانتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے مگر میرا خیال نہ تھا کہ وہ تم عربوں میں سے ہوگا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر میں ان تک پہنچ سکتا تو ضرور ان سے ملنے کی کوشش کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا، اور یہ بھی کہا کہ ان کی حکومت اس جگہ تک پہنچے گی جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں، یعنی شام کا علاقہ بھی اسلام کے زیرِ اثر آئے گا۔ اس کے بعد اس نے نبی کریم ﷺ کا خط منگوا کر پڑھوایا، دربار میں شور و ہنگامہ برپا ہو گیا اور ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں کو باہر نکال دیا گیا۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ اس دن مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ دین غالب آ کر رہے گا، یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام داخل کر دیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ہرقل نے دحیہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے جوابی خط اور تحائف بھی بھیجے، مگر وہ باوجود تصدیق کے باقاعدہ اسلام قبول کرنے کی ہمت نہ کر سکا، کیونکہ اسے اپنی سلطنت اور قوم کے ردِ عمل کا اندیشہ تھا۔

اسلام کیوں قبول نہ کیا؟ تجزیہ

اس واقعے کا سب سے اہم اور سبق آموز پہلو یہی ہے کہ ہرقل علم اور تصدیق کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ شارحین اس کی وجہ سلطنت اور جاہ کی محبت اور اپنی قوم و درباریوں کے دباؤ کو قرار دیتے ہیں۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے درباریوں کو جمع کر کے اسلام کی دعوت کا عندیہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوئے، تب اس نے بات پلٹ کر یہ کہہ دیا کہ میں تو تمہارے دین پر استقامت کو آزمانا چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کو پہچان لینا کافی نہیں ہوتا، اسے قبول کرنے کے لیے دنیاوی مفادات سے اوپر اٹھنے کی ہمت بھی درکار ہوتی ہے۔ یہ تجزیہ کسی فرد کے بارے میں قطعی اخروی فیصلہ صادر کرنا نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے؛ یہ صرف اس تاریخی واقعے سے حاصل ہونے والا اخلاقی سبق ہے جو خود روایات کے شارحین نے بیان کیا ہے اور جسے طالب علم کو اسی حد میں سمجھنا چاہیے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ ہرقل کا ردِ عمل تعجب، تحقیق، تصدیق اور پھر دنیاوی مصلحت کی وجہ سے رک جانے کا مرکب تھا۔ اس واقعے سے کئی اسباق ملتے ہیں: دعوت میں حکمرانوں اور بااثر طبقات تک پیغام پہنچانا نبوی اسوہ ہے؛ حق کی تحقیق میں مخالف کی سچی گواہی بھی دلیل بن سکتی ہے؛ اور علم کے بعد قبولیت کے لیے اخلاص اور قربانی لازم ہے۔ صحیح بخاری میں اس طویل روایت کی حفاظت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ امت نے سیرت کے ان واقعات کو پوری امانت سے محفوظ رکھا۔ مطالعۂ متنِ حدیث کے طالب علم کے لیے یہ واقعہ حدیث، سیرت اور دعوت تینوں کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی بہترین مثال ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com